مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی

سید شہزاد علی☆

قوموں پر عروج و زوال آتے رہتے ہیں، لیکن وہی قومیں دنیا میں دوبارہ اپنا مقام پیدا کرتی ہیں جن کے اندر احساس ذمہ داری اور احساس زیاں کا جذبہ موجود ہو۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اس صورت حال کا تفصیلی جائزہ لیا اور اپنی تحریروں میں مسلمانوں کو ان کے مقام و مرتبہ کا احساس دلایا۔ بلکہ ان کی تنزلی کے اسباب کے ساتھ ساتھ ان کو یہ باور بھی کرایا کہ وہی ایک ایسی امت ہیں جو اس دنیا کی امامت وقیادت کے صحیح حقدار ہے، اس حوالے سے مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں خوداعتمادی پیدا کی جائے، ان میں ماضی پر اعتماد، مستقبل کے بارے میں امید اور حوصلہ پیدا ہو۔ اس دین پر ان کا ایمان ویقین تازہ اور زندہ ہو جائے جس کا نام تو وہ لیتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت سے آشنا ہیں۔ ان کا تعلق اس دین سے زیادہ تر نسلی اور موروثی ہے اور انہوں نے اس کو بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے۔(۱)

اس وقت تقریباً تمام مسلمان مماک میں ایک ذہنی کشمکش برپا ہے جس کو ہم مولانا ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں اسلامی افکار واقدار اور مغربی افکار واقدار کی کشمکش یا معرکہ سے تعبیر کر سکتے ہیں (۲)۔ ان ملکوں کے عوام تو اسلام کے خیر خواہ ہیں، جبکہ زمام کار جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ ہو مغرب زدہ ہیں۔ ان کی سوچ اور تربیت مغرب کے ماحول کے زیر اثر ہوئی ہے اور وہ ان ممالک میں مغرب کے نظام کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ آج کے دور کو قبل از اسلام کے دور جاہلیت سے تشبیہ دیتے ہیں۔ آج دنیا پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ چھٹی صدی عیسوی میں تھی۔ یہ عالم پھر اسی دوراہے پر نظر آرہا ہے، جس دوراہہ پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت تھا۔(۳)

☆ ساکن، کھڈیاں، ضلع قصور۔

اس حوالے سے مولانا ندویؒ لکھتے ہیں:

''جاہلیت اپنے مزاج اور روح کے اعتبار سے ایک ہی ہے، جاہلیت کسی محدود زمانہ کے کسی خاص وقفہ کا نام نہیں ہے، بلکہ عقل وفکر کی ایک خاص اور متعین ساخت کا نام ہے، وہ فکری ساخت اس وقت اُبھرتی ہے جب کہ انسانی زندگی کی وہ حدود اور وہ معیار باقی نہیں رہتے جو خدا نے مقرر کیے ہیں اور ان کی جگہ بنائے ہوئے وہ مصنوعی معیار آ جاتے ہیں، جن کی بنیاد وقتی خواہشات پر ہوتی ہے.

جس کو آج دُنیا اپنے ارتقائی دور میں بھی اس طرح جھیل رہی ہے جس طرح اپنے بربریت اور جہالت کے ابتدائی زمانہ میں جھیل رہی تھی'' (۴)

اسلام کی آمد سے قبل دنیا جاہلیت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شرک اور بت پرستی عام تھی۔ کعبۃ اللہ، جو کہ اللہ کا گھر تھا، وہاں پر ۳۶۰ بت تھے۔ حج کے لیے خاص کپڑے مقرر تھے، جن کو کپڑے دستیاب نہ ہوتے ننگے طواف کرتے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون تھا، لوٹ کا مال کھانا، جادوگری، شراب نوشی، قمار بازی، بدکاری اور چوری عربوں میں عام رواج تھا۔ ان حالات میں جب اسلام آیا، تو اس نے لوگوں کی کایا ہی پلٹ دی۔ صرف تیئیس سال میں یہی لوگ، جن کی گھٹی میں جرائم اور اخلاقی گراوٹ پڑ چکی تھی، وہی دنیا کے بہترین انسان بن گئے۔ یہ انقلاب جو بغیر خون وفساد کے رونما ہوا، دنیا کا عظیم ترین انقلاب ہے جس میں بہت تھوڑے عرصے میں ہی ایمان کے اثرات لوگوں کی زندگیوں پر رونما ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت اس نہج پر ہوئی کہ دنیا اس انقلاب سے اب تک حیران ہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''پھر تھوڑا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ متمدن دنیا دیکھتی ہے کہ وہ خام اشیاء جو بکھری پڑی تھیں، جن کی معاصر قوموں نے بھی ذرا قدر نہ کی تھی اور پڑوسی ملکوں نے جن کا مذاق اڑایا تھا، اس سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ نے اس سے زیادہ متوازن و مکمل مجموعہ کمالات نہیں دیکھا، یا باران رحمت کی طرح کہ اس کا پتہ نہ چل سکے کہ اس کا پہلا

چھینٹا مبارک ہے یا آخری ، ایسا مجموعہ جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی صلاحیت رکھتا ہے ، دین و دنیا کی ہر ضرورت کے لیے اس کے پاس سامان موجود ہے، اس لیے اس کو کسی سے مدد کی ضرورت نہیں ،لیکن دنیا اس کی محتاج ہے۔(۵)

چونکہ اسلام وحی الٰہی کی رہنمائی میں لوگوں کی اصلاح و تربیت سرانجام دے رہا تھا، نیز لوگوں کو بندگانِ خدا کی بندگی بجائے خدا کی بندگی کرنا سکھا رہا تھا، اس کے علاوہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کی اخلاقی تربیت اس نہج پر کی کہ وہ قبائل جو آپس میں صدیوں سے باہم دست و گریبان تھے باہمی ایثار و محبت کا پیکر بن گئے.

یہ اسلام کی برکت تھی کہ دنیا کی بہترین اور عظیم ترین حکومتوں میں مسلم ریاست کا شمار ہونے لگا۔ دوسری ریاستوں سے سیاسی و مادی قوت کی برتری کے علاوہ، اسلام کے اعلیٰ اخلاقی معیارات بھی اسی نظام کے نمونہ کے تھے۔ اسلامی حکومت کی غیر معمولی وسعت ،کثیر آبادی اور وسائل و اسباب کے باوجود جرائم اور بداخلاقی کے واقعات بہت کم رونما ہوئے ، ایک فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ اور فرد و جماعت کا باہمی تعلق حیرت انگیز طریقہ پر بہتر تھا۔

اسلامی سلطنت کے باعث جو فیوض و برکات سامنے آئے اور دنیا نے اس کا جس طرح اثر قبول کیا، مولانا ابوالحسن علی ندوی اس کی بابت فرماتے ہیں:۔

''جس طرح موسم بہار میں نباتات اور انسانوں کے مزاج موسم سے متاثر ہوتے ہیں اسی طرح محسوس اور غیر محسوس طریقہ پر اسلامی اقتدار و تمدن کے زمانہ میں لوگوں کی طبیعتیں اور ذہنیتیں متغیر اور اسلام سے متاثر ہونے لگیں۔ دلوں میں گداز و نرمی پیدا ہونے لگی۔ اسلام کے اصول و حقائق دل دماغ میں پیوست ہونے لگے۔ اشیاء کی قدر و قیمت کے بارے میں لوگوں کا نقطہ نظر بدلنے لگا کل تک جن چیزوں اور جن صفات کی لوگوں کی نگاہ میں بڑی وقعت و اہمیت تھی، اب وہ جاتی رہی اور جو چیزیں بے وقعت

تھیں اب وہ دقیع بن گئیں ، پرانے معیاروں کی جگہ نئے معیاروں نے لے لی ، جاہلیت رجعت اور جمود کی علامت بن گئی اور اس کے متبعین میں احساسِ کمتری پیدا ہوگیا۔ اسلام کی طرف انتساب اس کے شعائر اور خصوصیات کو اختیار کرنا ایک فخر اور تعریف کی چیز بن گئی'' ۔(۶)

جب تک مسلمان اسلام کے بتائے ہوئے احکام کی پیروی کرتے رہے سر بلند رہے، لیکن جونہی انہوں نے اسلامی تعلیمات سے روگردانی کی ۔ تنزلی اور پستی ان کا مقدر بننے لگی

اس کے برعکس خلفائے راشدین کے بعد زمام کار ان لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئی جنہوں نے اس کے لیے تیاری نہ کی تھی ۔ ان کی اخلاقی حالت اس قابل نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی قیادت کر سکتے ۔ ان کے اندر روح جہاد اور قوت اجتہاد کا فقدان تھا ۔ جس کے سبب تنزل لازمی نتیجہ تھا ۔ اسی کے سبب دین وسیاست میں تفریق پیدا ہوگئی ۔ خلفاء علم اور دین میں کوئی مرتبہ نہ رکھتے تھے ۔ اس کے علاوہ جاہلی اثرات ، جس سے اسلام نے ان کو ہٹایا تھا، لوگوں کی اخلاقی تربیت نہ ہونے سے دوبارہ ان میں نفوذ کرنے لگے ۔ مولانا ابوالحسن لکھتے ہیں :۔

''اس دور انحطاط میں مسلمان علماء اور مفکرین نے جس قدر علوم مابعد الطبیعات (Mataphysics) اور یونانیوں کی الٰہیات کی طرف توجہ کی اس قدر علوم طبیعیہ اور عملی اور نتیجہ خیز فنون کی طرف توجہ نہیں کی ، حالانکہ یہ یونانی فلسفہ اور الٰہیات محض یونانیوں کا علم الاصنام (Mythology) تھا جس کو انہوں نے اپنی چالاکی سے فلسفیانہ الفاظ واصطلاحات میں ایک عقلی فن کے لباس میں پیش کیا تھا۔ وہ محض چند خیالات وقیاسات کا مجموعہ اور الفاظ کا ایک طلسم تھا، جس کے پیچھے کوئی حقیقت واصلیت نہ تھی ۔ (۱۲)

مسلمان بجائے اس کے کہ قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا رہتے ۔ مناظرے ، فلسفیانہ

موشگافیاں ، جزئیات اور ذاتیات ان کا مشغلہ بن گئے ، جس کے نتیجے میں پورا سلامی معاشرہ جمود کا شکار ہو گیا اور سانحہء بغداد جیسا واقعہ پیش آیا ،لیکن اس کے برعکس یورپ علم وتحقیق کے میدان میں مصروف عمل رہا۔اور اس نے فکری اور عملی میدانوں حیرت انگیز ترقی کی ۔مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں :

سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی ہی سے ترک تنزل وانحطاط ،علمی پسماندگی اور جمود کا شکار ہو چکے تھے ، یہ تاریخ انسانی کا وہ اہم ترین عہد ہے ،جس کا اثر بعد کی صدیوں پر نقش ہے۔ یورپ اس میں اپنی ، لمبی نیند سے بیدار ہوا تھا ،طبعی قوتوں کو مسخر ،کائنات کے اثرات کو منکشف اور نامعلوم سمندروں اور اقلیموں کو دریافت کر رہا تھا ،ہر علم وفن میں اس کی فتوحات اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے اکتشافات جاری تھے ۔اس مختصر مدت میں اس کے یہاں ہر علم میں بڑے بڑے محقق ،موجد اور مجتہد فن پیدا ہوئے''۔(۷)

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں :۔

''قوموں کی تاریخ اس دور میں نئے سرے سے ڈھل رہی تھی' اس زمانہ کا ایک ایک لمحہ کئی کئی دن اور ایک ایک دن کئی کئی برس کے برابر تھا ،جس نے فرصت و تیاری کا ایک لمحہ کھو دیا اس نے ایک طویل زمانہ ضائع کر دیا ۔افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس وقت لمحات ضائع نہیں کئے ، بلکہ صدیاں ضائع کیں اور یورپین قوموں نے ایک ایک منٹ اور ایک ایک سیکنڈ کی قدر کی اور اس سے فائدہ اٹھایا اور صدیوں کی مسافت برسوں میں طے کی''(۸)

ترقی کے میدان میں مولانا ندویؒ مغرب اور مسلمانوں کی ترقی کی رفتار کو کچھوے اور خرگوش سے تشبیہ دیتے ہیں ، اور خرگوش بیدار ، جبکہ کچھوا اپنی سست رفتاری کے باوجود سو بھی رہا تھا۔مولانا ندویؒ مسلمانوں کے تنزّل کے اسباب میں صورت اور حقیقت کے

فرق کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کبھی بھی یہ سنت نہیں رہی کہ وہ محنت کرنے والوں کو ناکام کردے، قطع نظر اس کے کہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ ہم مسلمانوں نے بجائے حقیقت پر جانے کے محض صورت کو اختیار کیا۔ جس کے نتیجہ میں نقصان اٹھانا پڑا، اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''پانی اگر پانی ہے تو سیراب کرے گا۔ غذا اگر حقیقی غذا ہے تو وہ ضرور قوت پہنچائے گی اور اگر واقعیت نہیں تو سراب آبِ زلال کا کام نہیں دے سکتا۔ آگ کی تصویر سے ہم روشنی اور گرمی حاصل نہیں کرسکتے -------- یہی اشیاء کی فطرت اور کائنات کا نظام ہے۔ ہمارا سب سے بڑا قصور یہی ہے کہ ہم نے اسماء، مظاہر، دعاوی اور کلمات سے ان عظیم نتائج کی امید کی جو صرف حقائق کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ہم یہاں سے اسلام کے نام اور اس کی صورت لے کر گئے۔ اپنی قوت کا غلط اندازہ کر کے گئے، چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ جب صورت وحقیقت کے درمیان کشمکش ہوئی تو ہمیں صورت نے بھرے میدان میں شکست کی ذلت سے دوچار کیا اور دنیا بھر کی نگاہوں میں ہم رسوا ہوئے'' (۹)

چونکہ زمام کار یورپ کے پاس پہنچ گئی، جس نے شروع شروع میں تو مذہب اور سیاست کے درمیان ایک تعلق رکھا، لیکن جوں جوں مادیت کی ڈور بڑھتی گئی۔ مذہب پرائیویٹ زندگی سے بھی ختم ہوتا چلا گیا۔ فلسفہ افادیت اور لذتیت کی تشہیر کی گئی۔ میکاولی (Machiavelly، ۱۵۲۷ء) جیسے اہل سیاست نے ایسے اصول دیئے جن کے تحت بادشاہوں اور حکام کو لومڑیوں کی صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ اپنے فائدے کے لیے عہد شکنی۔ دروغ گوئی، فریب کاری، خیانت اور مکاری کا استعمال ضرور کرنا چاہئے۔ مذ ہب کو یورپ سے یکسر نکال دیا گیا۔ ایسی اشیاء جن کو محسوس نہ کیا جا سکتا ہو ان کی بے وقعتی کی جانے لگی۔ خدا کا تصور محض ایک وہمی تصوّر خیال کیا جانے لگا، جس کی کوئی حقیقت نہ سمجھی گئی، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ خشوع وخضوع اور روحانیت میں کمی آ گئی۔ دنیاوی

زندگی کی پرستش اور دنیاوی فوائد ولذائذ کا اہتمام کثرت سے کیا جانے لگا۔ جب اس طرح کے نظریات نے رواج پایا تو یورپ کی اخلاقی اورنظریاتی سوچ پست سے پست ہوتی چلی گئی۔ اقتصادی وحدۃ الوجود جیسے نظریات تشکیل پانے لگے۔ اس بارے میں مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:۔

''مادی نقطہ نظراور مادی طریقِ فکر یورپ میں استغراق وفنا کے ایسے درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ مغربی اشخاص اور اہل فکر ماسوا کو بالکل بھول گئے۔ فلسفہ اشتراکیت کا امام کارل مارکس (Karlmarx) (۱۸۱۸-۱۸۸۳ء) اس مادی استغراق اور فنا کی بہترین مثال ہے، اس کے نزدیک پوری انسانی تاریخ (سوائے اس زمانہ کے جب زندگی عالم طفولیت میں تھی) معاشرتی طبقوں کی باہمی جنگ کی داستان ہے، وہ اقتصادی پہلو کے علاوہ انسانی زندگی کے تمام دوسرے پہلوؤں کی اہمیت اور اثر کا منکر ہے، وہ دین، اخلاق، روح، قلب، حتٰی کہ عقل کو کوئی وزن نہیں دیتا اور اس کے نزدیک ان میں سے کسی کو بھی انسان کی تاریخ میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں، تاریخ کی تمام جنگیں، بغاوتیں وانقلاب محض ایک انتقام تھا، جو جھوٹا اور خالی پیٹ ایک بڑے اور بھرے ہوئے پیٹ سے لینا چاہتا تھا، وہ محض ایک جدوجہد تھی، جو اقتصادی نظام کی تشکیل جدید، اور صنعتی پیداوار کے طریقوں کی تنظیم جدید کے سلسلہ میں پیش آئی۔(۱۰)

یورپ میں آلات ووسائل کا غلط استعمال کیا گیا۔ ایجادات وانکشافات کو درست سمت میں استعمال کرنے کی بجائے اس سے اپنی خواہش پر مبنی ناجائز مقاصد پورے کیے گئے۔

''اس وقت یہ تہذیب اپنے، جو بہترین پھل لاسکتی تھی اور جو بہترین نتائج دنیا کے سامنے پیش کرسکتی تھی وہ اس نے دنیا کے سامنے پیش کردیئے۔ اس وقت ہم ایک ایسے موڑ پر آکر کھڑے ہوگئے ہیں کہ تہذیب نے تقریباً اپنا عمل پورا کرلیا ہے اور امریکہ جو اس

تہذیب کا بڑا مرکز ہے وہ اس وقت اپنی ان ترقیات کے جھولے میں جھولا جھول رہا ہے۔(۱۱)

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:۔

لیکن اس کے باوجود انسان کو نہ سکون حاصل ہے اور نہ دنیا میں امن و امان قائم ہے، انسان ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں وہ بالکل مبہوت ہو کر کھڑا ہو گیا ہے، زندگی اس کو بے مقصد معلوم ہوتی ہے، چیزیں موجود ہیں، لیکن ان کا اصلی مزا اس کو حاصل نہیں ہو رہا ہے، اس وقت تو ضرورت اس کی تھی کہ خود اس ملک میں ایسے لوگ پیدا ہوتے جو اس ملک کو اس دلدل سے نکالیں جس میں وہ پھنس گیا ہے اور اس ملک کو ایک نیا پیغام دیں، اس ملک میں ایک نئی زندگی پیدا کر دیں، لیکن افسوس ہے کہ اب زندگی اس رفتار سے جا رہی ہے کہ اس کی باگ اب انسان کے ہاتھ میں نہیں رہی، اب انسان زندگی پر سوار نہیں، بلکہ زندگی اس پر سوار ہے'' (۱۲)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اس بات کے قائل ہیں کہ اس وقت تک تبدیلی ممکن نہیں جب تک زمام کار مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ آجائے، وہ لکھتے ہیں

> ''حالات میں کوئی بڑی تبدیلی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ دُنیا کی قیادت مادہ پرست اور ناخدا ترس انسانوں کے ہاتھ سے نکل کر اُن خدا شناس اور خدا ترس انسانوں کے ہاتھ میں نہ پہنچ جائے جو پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں کی ہدایات اور تعلیمات سے روشنی حاصل کرتے ہیں'' (۱۳)

اب یہ مسلم اُمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اندر ایسے خصائص پیدا کرے جو خُدا تعالیٰ کو مطلوب ہیں۔ جب اُس کا یہ وعدہ ہے کہ وہ اس اُمت کو دُنیا کا امام ٹھیرا تا ہے۔لیکن اس کے لئے شرائط کی تکمیل بھی ضروری ہے، محض مسلمان کہلوا لینے سے وہ اس بات کی مستحق نہیں بن جاتی

کہ اُس کو دُنیا کی قیادت کا منصب مل جائے ۔مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مولانا ابوالحسن علی ندوی دو چیزوں جہاد اور اجتہاد پر زور دیتے ہیں ۔ جب تک مسلمان ان دو چیزوں کو نہیں اپنائیں گے ،اُن کی نشاۃ محض ایک خواب ہی ہوگا ۔عملی صورت ناممکن ہوگی ۔ جہاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جہاد سے مراد عزیز ترین اور اہم ترین مطلوب کے حصول کے لیے اپنی انتہائی طاقت اور وسائل صرف کر دینا ،مسلمان کا سب سے بڑا مقصود اللہ کی فرماں برداری ،اس کی خوشنودی کا حصول اور اس کی بادشاہی اور احکام کے سامنے سپردگی اور سرافگندگی ہے ،اس کے لیے ایک طویل جہاد کی ضرورت ہے ،ہر اس عقیدہ ،تربیت ،اخلاق ،اغراض اور خواہشات کے خلاف جو اس میں مزاحم ہوں اور ان تمام نفسی و آفاقی (داخلی و خارجی) اللہ و معبودان باطل کے خلاف جو اللہ کی فرماں برداری اور اخلاص میں حریف اور رقیب ہوں ، جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی بادشاہی اور اس کے احکام کو اپنے گردوپیش کی دُنیا اور اپنے بنی نوع پر پھیلانے کے لیے جدوجہد کرے ، یہ اُس کا دینی فریضہ ہے اور خلق خدا پر شفقت اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کا بھی یہ عین مقتضا ہے'' (۱۴)

اجتہاد کے بارے میں لکھتے ہیں ،

''اجتہاد سے ہماری مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیادت و امامت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہو وہ نئے پیش آنے والے مسائل زندگی میں انفراداً و اجتماعاً صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت اور استعداد رکھتے ہوں اور روحِ اسلام اور اسلامی قانون سازی کے اصول سے اتنی واقفیت اور مسائل کے استنباط کی قوت رکھتے ہوں جس سے وہ امت کی مشکلات کو حل کر سکیں اور اشتباہ اور تحیر کے موقع پر اس کی رہنمائی کر سکیں ، نیز وہ اتنی ذکاوت و مستعدی اور علم رکھتے ہوں اور محنت کرنے کے لیے تیار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو طبعی قوتیں پیدا کی ہیں اور زمین میں دولت و قوت کے جو چشمے اور دفینے رکھ دیئے ہیں ان سے کام لے سکیں اور ان کو اسلام کے

مقاصد کے لیے مفید بنائیں، بجائے اس کے کہ اہل باطل ان کو اپنی خواہشات کے حصول کے لیے استعمال کریں اور زمین میں سربلندی اور فساد کے لئے ان سے مدد لیں، اہل حق اُن سے وہ کام لیں جن کے لئے اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے'' (۱۵)

قرآن میں ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (۲۷) ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس سے یہ بات عیاں ہے کہ تا قیامت قرآن اسی طرح محفوظ ہے، جس طرح اپنے ابتدائی دن سے تھا۔ اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ذریعے ہی کروائی ہے، چنانچہ ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا منہ توڑ جواب دیا۔

اس بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی بڑے پُر امید ہیں، اور کہتے ہیں:

'' ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوے جنہوں نے تحریفات وتاویلات کا پردہ چاک کر دیا، اور حقیقت اسلام اور '' دین خالص '' کو اُجاگر کیا۔ بدعات اور عجمی اثرات کے خلاف آواز بلند کی، سنت کی پرزور حمایت کی، عقائد باطلہ کی بے باکانہ تردید اور مشرکانہ اعمال ورسوم کے خلاف علانیہ جہاد کیا، مادیت اور نفس پرستی پر کاری ضرب لگائی تعیّشات اور اپنے زمانہ کے معترفین'' کی سخت مذمت کی، اور جابر سلاطین میں نئی قوت وحرکت اور مسلمانوں میں نیا ایمان اور نئی زندگی پیدا کر دی'' یہ افراد دماغی، علمی، اخلاقی، اور روحانی اعتبار سے اپنے زمانہ کے ممتاز ترین افراد تھے، اور طاقتور اور دلآویز شخصیتوں کے مالک تھے، جاہلیت اور ضلالت کی ہر نئی ظلمت کے لیے ان کے پاس کوئی نہ کوئی '' ید بیضاء '' تھا جس سے اُنہوں نے تاریکی کا پردہ چاک کر دیا اور حق روشن ہو گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کی حفاظت اور بقا منظور ہے اور دنیا کی رہنمائی کا کام اسی دین اور اسی اُمت سے لینا ہے اور جو کام وہ پہلے تازہ نبوت

اور انبیاء سے لیتا تھا، اب رسول اللہ ﷺ کے نائبین اور امت کے مجددین و مصلحین سے لے گا'' (۲۸)

مسلمانوں کی نشاۃ کے بارے میں مولانا علی میاں لکھتے ہیں۔

'' آج بھی عالم اسلامی کا پیغام خُدائے واحد کی عبادت اور اطاعتِ مطلق اللہ کے پیغمبروں کی رسالت، بالخصوص آخری اور سب سے بڑے پیغمبر محمد ﷺ کی رسالت اور آخرت کے عقیدہ پر ایمان لانے کی دعوت ہے۔ اس دعوت کو قبول کرنے کا انعام اور صلہ یہ ہوگا کہ یہ عالم تو تاریکیوں سے نکل کر جن میں وہ صدیوں سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، روشنی کی طرف آجائے گا، اپنے جیسے انسانوں کی بندگی سے وہ نجات پا کر خُدائے واحد کی بندگی کی نعمت پائے گا، زندگی کے اس جیل خانہ سے نجات پا کر جس میں وہ صدیوں سے محبوس ہے، زندگی کے کھلے میدان اور دنیا کی آزاد فضا میں قدم رکھے گا، اعتقادی اور سیاسی مذاہب کی جکڑ بندیوں سے رہائی پا کر وہ دینِ فطرت اور شریعتِ الٰہی کے سایہ عدل میں جگہ پائے گا''۔ (۱۸)

مولانا ابوالحسن علی ندوی مسلمانوں کی نشاۃ کے لئے ایک لائحہ عمل دیتے ہیں:

'' اگر اس کو اسلام کے پیغام کی اشاعت کی خواہش ہے اور وہ دُنیا کی قیادت و رہنمائی کا فرض انجام دینا چاہتا ہے تو اس کو اس کے لیے ممتاز قوت اور تربیت، صنعت و علوم، تجارت اور فنِ حرب میں مکمل تیاری کی ضرورت ہوگی، اس کو زندگی کے ہر شعبہ اور اپنی ہر ضرورت میں مغرب سے مستغنی اور بے نیاز ہونا پڑے گا، وہ اس سطح پر ہو کہ اپنے لیے پہننے اور کھانے کا سامان کر سکے، اپنے لیے ہتھیار تیار کر سکے، اپنی زندگی کے معاملات کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہو، اپنی زمین کے خزانے وہ خود برآمد کر سکے اور اس سے فائدہ اُٹھا سکے، اپنی زمین کے خزانے وہ خود برآمد کر سکے اور اس سے فائدہ اُٹھا سکے، اپنی حکومتوں کو اپنی دولت اور اپنے آدمیوں کے ذریعے چلائے، اس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے سمندروں میں اس کے بحری بیڑے اور جہاز شور کر رہے ہوں، وہ دشمن کا مقابلہ اپنے یہاں کی جنگی جہازوں، توپوں اور ہتھیاروں سے کرے، اس

کی برآمد اس کی درآمد سے زیادہ ہو، اور اس کو مغربی ممالک سے قرض لینے کی ضرورت پیش نہ آئے، اس کو اس کے کسی جھنڈے کے نیچے نہ آنا پڑے اور وہ کسی کیمپ میں شامل ہونے پر مجبور نہ ہو" (۱۹)

مولانا ابوالحسن علی ندوی عالم عربی کو اس بات پر اُبھارتے ہیں کہ عالم اسلام کا مرکز ہونے کے ناطے یہ اس کی ذمہ داری اور فرض ہے کہ وہ عالم اسلامی کی قیادت وسیادت کا فریضہ سرانجام دے۔ تمام عالم اسلامی کی نگاہیں عالم عربی کی جانب ہیں اور عالم عربی کی عزت ہی علم اسلام کی عزت ہے اور عالم عربی کی ذلت عالم اسلامی کی ذلت ہے۔

اذا ذل العرب ذلّ الاسلام اگر عرب ذلیل ہوئے تو اسلام ذلیل ہو جائے گا۔ مولانا علی میاں عرب دنیا کو ہی اپنی اُمیدوں کا مرکز ٹھہراتے ہیں۔ اور اس قوم کی زبان، کتاب، تہذیب کو اپنی تہذیب قرار دیتے ہیں۔ اور اس پر فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ حادثات ومصائب سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ ایمان کی چنگاری مسلمانوں اور عربوں کے دلوں میں بجھی نہیں ہے، بلکہ بھڑک اُٹھنے کے لئے تیار ہے، مولانا فرماتے ہیں:

"میں حادثات ومصائب سے پریشان نہیں ہوں، کیونکہ ایمان کی چنگاری بجھی نہیں ہے، بلکہ وہ مسلمانوں اور عربوں کے دِلوں میں چھپی ہوئی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ چنگاری بھڑک اُٹھنے کے لئے تیار ہے، وہ کسی ایسی شخصیت کی منتظر ہے جو اسے راکھ کے ڈھیر سے نکال دے، اس کے اُوپر آئے ہوئے کھوٹی تہذیب، آرزوؤں کی بے لگامی، اوہام پرستی، خود پسندی، موت سے خوف اور خطرات سے گھبراہٹ کے غبار کو ہٹا دے اگر کوئی ایسا مبارک اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والا ہاتھ آگے بڑھے اور ایمان کی چنگاری کو گرد وغبار سے صاف کر دے تو اب بھی یہ چنگاری بھڑک اُٹھنے، خود تپنے اور تپانے کی صلاحیت رکھتی ہے، یہ خود بھی روشن ہوئی اور دنیا کو بھی روشن کر دے گی" (۲۰)

☆..........................☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ندوی، ابوالحسن علی، سید، ''انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' مجلس نشریات اسلام، ۱۔ کے ۳۰، ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد نمبر ا کراچی ۱۸۔ ط: یازدہم صب ۲۳۔

۲۔ ندوی، ابوالحسن علی ندوی، سید ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش مجلس نشریات اسلام، ا۔ کے ۳۰ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ا کراچی ۱۸ ط: ۳ ص ۱۱۔

۳۔ ندوی، ''انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر''، ص ۳۷۱

۴ ایضا، ص ۲۸

۵۔ ایضا، ص ۱۳۰

۶۔ ایضا، ص ۱۵۱۔۱۵۲

۱۲۔ ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر''، ص ۱۶۶۔۱۶۷

۷۔ ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر''، ص ۱۹۲۔

۸۔ ایضاً ص، ۱۹۳

۹۔ ندوی، ابوالحسن علی، سید ''عالم عربی کا المیہ'' مجلس نشریات اسلام، ا۔ کے، ۳، ناظم آباد مینشن ناظم آباد نمبر ا، کراچی ۱۸، ص ۹۱۔

۱۰۔ ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر''، ص ۲۳۸۔۲۳۹۔

۱۱۔ ندوی، ابوالحسن علی، سید، ''نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں'' مجلس نشریات اسلام، ا، کے ۳۰، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، نمبر ا، کراچی ۱۸، ص ۴۵۔

۱۲۔ ایضاً،ص ۴۶۔

۱۳۔ ندوی،ابوالحسن،''انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر''،ص۱۳۔

۱۴۔ ندوی،ابوالحسن علی،سید،''انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر''ص۱۶۰۔

۱۵۔ ایضاً،ص ۱۶۳۔

۱۶۔ الحجر۔۹

۱۷۔ ندوی،ابوالحسن علی،سید،'' تاریخ دعوت وعزیمت'' حصہ اوّل مجلس نشریات اسلام ا۔ کے ۳۰ ناظم آباد مینشن۔ناظم آباد نمبرا،کراچی نمبر۱۸،ص۱۹۔۲۰۔

۱۸۔ ندوی،ابوالحسن،انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر''ص ۲۳۸۔

۱۹۔ ایضاً،ص ۳۵۰۔

۲۰۔ ندوی،ابوالحسن علی،سید''عالم عربی کا المیہ'':ص۱۳۲۔

☆.......................☆